اقتدار کو دوام حاصل ہو سکتا تھا۔ اور اس کے عوض میں غلام قادیانی کی شخصیت کو بھی بقاء و ارتقا "بخشا" جا سکتا تھا سو وہ، ملا اور غلام احمد قادیانی فرنگی کی عنایات سے سیاسی، معاشی اور مذہبی طور پر ایک مضبوط قلعہ بن گیا!

۱۳۔ مرزا غلام احمد اور فلسفیوں کی تحقیق و دریافت میں نبوت ایک قوت قدسیہ ہے جو زہد، ریاضت اور کثرت عبادت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ عبادات منصوص ہو یا فلسفیوں کی ایجاد، ان کے نزدیک نبوت بھی ایک صنعت و فن کی طرح کی چیز تھی اور مرزا غلام احمد اور اسکا کمپیوٹر حکیم نور الدین اس جھوٹ کے ماننے اور جاننے والے تھے انہوں نے نہایت فنکاری سے قدسیت کی صفت تو اڑادی اور زہد، ریاضت، تقویٰ، عبادت کی بنیاد پر نبوت کا کاروبار چلانے کا نیا فلسفہ دیا اور اس فلسفہ ُحمری میں ایک پیوند اور لگا دیا کہ وقت کی حکومت کی اطاعت اور وفاداری بھی ضروریات نبوت میں ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد نے خود لکھا ہے اپنے بارے میں

(حوالہ) "اور جسکی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمتگزار ہیں اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے! ص ۲۶۲ ج ۱ مجموعہ اشتہارات مرتبہ محمد صادق، مطبوعہ اپریل ۱۹۱۲ء بدر پریس قادیان۔

بقیہ از ص ۱۷

کی دوسری بیویوں سے زنا کرتا ہو، حسینؓ جیسا پاکباز کیا اس کی بیعت کا تصور بھی کر سکتا ہے....؟

لیکن حسینؓ کی اپنی اولاد میں سترہویں پشت میں سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کہتا ہے کہ میرے جدّ امجد نے یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کے لئے وعدہ کیا۔ شرط لگا دی کہ وہاں لے چلو جو وہ کہے گا ماننے کو تیار ہوں۔ میرا مطالبہ پورا کردو۔ معلوم ہوا کہ اس میں کفر بواح نہیں تھا۔ اسمیں زنا نہیں تھا۔ اسمیں شراب نوشی نہیں تھی۔ اسمیں امہات المومنین کی توہین کا تصور بھی نہیں تھا۔ اور کسی ماں کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کی۔

یہ رافضیوں کی من گھڑت ہے۔ جب سیدوں کے باوا جان خود یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں تو اور کون دنیا کا بدمعاش ہے جس کے لئے اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش ہو۔ ہم کسی سبائی کو حسینؓ کی جوتی سے بھی بڑا نہیں سمجھتے۔ میں اس موضوع کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا لیکن

منہ آئی بات نہ رہندی اے

ﷺ آکھیاں بھانبڑ مچدا اے

ہن مچدا اے تے مچے...... پہلے کونسی کمی ہوئی ہے۔

(سالانہ جلسہ خیر المدارس ملتان)

۲۹/جمادی الاولیٰ : ۱۴۰۱ھ مطابق ۵/اپریل : ۱۹۸۱ء

(خطاب بعد ظہر)

یاد رفتگان

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نعمانی (لندن)

(بیاد مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی مرحوم)

دل کی دل ھی میں رھی!

برادرم مرحوم مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی نے گزشتہ سال اکتوبر 1994ء میں یکایک سفر آخرت کی راہ لی اور اس طرح وہ بہت سی باتیں جو ایک ملاقات کے انتظار میں تھیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں۔ اللہ انہیں اپنی مغفرت اور رحمتوں کے سائے عطا فرمائے۔ مرحوم سے کوئی شناسائی، کوئی راہ و رسم 1992ء سے قبل نہ تھی۔ جنوری 1992ء میں راقم الحروف کی کتاب "واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر" لکھنؤ سے شائع ہوئی اور شدہ شدہ موصوف کے ہاتھ تک پہنچ گئی۔ بس اسی نے اس چندروزہ راہ و رسم کی بنیاد رکھ دی کہ ان کا دنیا سے یکایک رخصت ہو جانا کہ ایک بار بھی ملاقات کی نوبت نہ آنے پائی۔ بظاہر ان کی یاد کے ہر موقع پر دل میں ایک چبھن کا باعث ہوتی رہے گی۔

واقعۂ کربلا پڑھ کر مرحوم نے اپنا تاثر ایک بڑے بلند آہنگ مضمون کی شکل میں نقیب ختم نبوت ملتان میں شائع کرایا۔ یہ مضمون کتاب کی ستائش کے ساتھ ساتھ مصنف اور اس کے گھرانے کے لئے اس قدر خلوص و محبت کا بھی آئینہ دار تھا کہ ایسے شخص سے محبت کئے بغیر رہا بھی نہ جائے۔ فوری طور پر لازم ہوا کہ ان کی اس خلوص اور محبت کا جواب اعتراف تشکر سے دیا جائے، چنانچہ اس سلسلے میں انہیں خط لکھا اور اتفاق ہے کہ یہ 92ء کے اکتوبر کا ہی مہینہ تھا اور اس کی 22 تاریخ تھی کہ یہ خط ان کو ملا یعنی مرحوم کی وفات سے دو سال پہلے اور اس کے بعد ان سے خط و کتابت کا رشتہ قائم ہو گیا۔ یہ خط و کتابت ہی مرحوم سے اپنے سلسلۂ تعلق کی کل کائنات ہے۔ اس خط و کتابت کے رشتے کی بنیاد صرف مرحوم کا خلوص اور محبت ہی نہ تھی بلکہ انداز فکر اور مذاق کے لحاظ سے بڑی ہم آہنگی بھی ان کے یہاں نظر آئی۔ لکھنے اور بات کہنے کا سلیقہ بھی انہیں اللہ نے دیا تھا، جس سے اپنے ذوق و مزاج کو مناسبت ہے۔ ان کی تحریریں نقیب ختم نبوت کے ذریعے ہی سامنے آتی رہیں۔ جن میں بیان کی سادگی کے ساتھ بڑی شگفتگی بھی ہوتی تھی اور نہایت کارآمد مواد بھی۔

مرحوم سے جس زمانے میں راہ و رسم کی بنیاد پڑی اس زمانے میں نقیب ختم نبوت کا امیر شریعت نمبر حصہ اول شائع ہوا تھا۔

مرحوم کے مضمون سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ خاندانی احراری ہیں اور ان کے علمی ذوق کا اندازہ تو ہو ہی چکا تھا، اس لئے یہ نمبر مطالعہ میں آنے پر راقم کے ذہن میں جب یہ ایک سوال پیدا ہوا کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی امیریٔ شریعت کا انعقاد تو اتنی دھوم دھام سے ہوا مگر آپ کے ماتحت کسی نظام امارت کا کہیں پتہ نہیں چلتا یہ کیوں؟ تو مرحوم ہی کی طرف ذہن گیا کہ یہ سوال ان سے کیا جانا چاہئے۔ مثانیس اپریل 93ء کے اپنے مکتوب میں وہ میرے اس سوال کی رسید دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نقیب ختم نبوت کے نمبر کے حوالے سے حضرت شاہ جی کے امیر شریعت بنائے جانے کے ضمن میں آپ کا سوال بڑا اہم ہے۔ شاہ جی خود کو محسود العلماء قرار دیتے تھے۔ مولانا آزاد قدس سرہٗ کے ساتھ اہل علم نے جو سلوک کیا اور جس سلوک سے مولانا سندھی کو دوچار ہونا پڑا اس قسم کے حالات یہاں بھی تھے اس وجہ سے معاملات شاید آگے نہ بڑھ سکے۔ اس کے ساتھ ہی میرے خیال میں پنجاب کا بالخصوص مزاج ہنگامہ پروری بھی سہ آلہ تھا۔ پھر بقول بعض یہ ساری کاوش ہی مرزائیت کے لئے تھی اس سے زیادہ کسی نے سوچا ہی نہ تھا نہ بنانے والوں نے نہ بننے والوں نے"

آگے لکھتے ہیں۔

"بہر حال یہ محض اشارات ہیں نقیب کے نمبر کے دوسرے حصے کے لئے اپنے لکھے جانے والے مضمون میں شاید اس مسئلے پر قلم اٹھا سکوں"

چنانچہ امیر شریعت نمبر جو امسال شائع ہوا اس میں مرحوم کے مضمون میں اس سوال سے تعرض شامل ہے اس سوال سے تعرض تو مضمون کا محض ضمنی حصہ ہے۔ اصلی مضمون کے بارے میں اپنا یہ تاثر مرحوم کی اس یاد کے موقع پر تذکرے میں لانا بالکل مناسب ہو گا کہ پورے نمبر میں یہ مضمون اس لحاظ سے منفرد ہے کہ شاہ صاحب کو ایک صاحب علم کی حیثیت سے بھی

سامنے لاتا ہے ورنہ وہ ایک سحر طراز اور شعلہ بیان خطیب ہیں۔ ایک انتھک مجاہد سراپا شجاعت اور مجسمۂ استقامت ہیں۔ عشق رسول ؐ سے سرشار اور فقر غیور کے امانتدار ہیں۔ ادب کا ذوق بھی بلند پایہ، اخلاق بھی عالی، مزاج حکیمانہ وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ مضمون بھی مرحوم کے علمی اور انتہائی تحقیق پسند مذاق کا شاہد ہے۔ مرحوم کے اسی ذوق و مزاج کا اندازہ کر کے راقم نے ایک دوبار ان سے علمی معاملات میں ایسی معلومات کے لئے معاونت بھی چاہی جو پاکستان ہی سے مہیا ہو سکتی تھیں۔ اس سلسلے میں ان کا ابتدائی جواب مجھے ان کے 13 نومبر 93ء کے خط سے ملا، جس میں طبیعت کی خرابی کی بناء پر جواب میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ کچھ مختصر گفتگو میرے سوالات کی بابت کرتے ہوئے انہوں نے لکھی اور مفصل جواب کے لئے آئندہ خط کا وعدہ کیا تھا، مگر مجھے لگتا ہے کہ اس کے بعد ان کی طبیعت اس قابل نہ ہو سکی یا ان کی دوسری معروفیات نے اجازت نہ دی کہ وہ میری مطلوبہ معلومات کی فراہمی کی طرف جلد متوجہ ہو سکیں، حتیٰ کہ 13 نومبر 93ء کا خط ہی میرے نام ان کا آخری خط ہو کر رہ گیا، حالانکہ راقم نے اس کے بعد ایک دو خط بعض دوسرے عنوانات کے لئے بھی ان کو لکھے اور ان میں سے ایک کے جواب کا خاص طور پر انتظار رہا جو مولانا آزاد مرحوم پر ان کے ایک دفاعی مضمون کے سلسلے میں تھا۔

مرحوم کے ابتدائی خطوط ہی سے یہ بات سامنے آ چکی تھی کہ وہ بچپن سے کچھ عوارض کے شکار ہیں جن میں وقتاً فوقتاً زور پیدا ہو جاتا ہے تو پھر زندگی معطل ہو جاتی ہے۔ اگست 93ء کے ایک خط میں اس چیز کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ!

"اسی قسم کی صورت حال اب پھر پیش آئی ہے بہرحال اللہ کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ معذوری کی زندگی سے بچا کر استقامت علی الدین کے ساتھ خیر و بھلائی کے کاموں کی توفیق عطا فرماتا رہے، آپ جیسے مخلص سے بھی اسی قسم کی دعا کا محتاج ہوں۔"

مرحوم کی قابل قدر اور قابل ذکر باتوں میں مجھے ان کی اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ وہ محبت بھی نظر آتی ہے، جس کی حفاظت اور برقراری کے لئے وہ مجھے اکثر دعا کا کہا کرتے تھے، چنانچہ اوپر دیئے ہوئے اقتباس کے آگے مزید یہ الفاظ بھی اسی خط میں تھے کہ "ساتھ ہی یہ کہ حضرت والدہ ماجدہ مدظلہ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہم سب بہن بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے جس رحمت سے اتفاق کی دولت سے نوازر کھا ہے اس میں دراڑ نہ آئے بلکہ یہ سلسلہ بیش از بیش ہو۔"

فتنوں کے اس زمانے میں جبکہ رشتے اپنی اہمیت کھوتے جارہے ہیں، کسی شخص کا ان کے سلسلے میں حساس اور فکرمند ہونا کہ وہ اپنے ہر محبت سے اس کے لئے بھی دعا چاہے بڑی توفیق کی بات ہے۔ دعا ہے کہ اللہ مرحوم کی والدہ ماجدہ کا سایہ ان کے باقی بہن بھائیوں پر تادیر قائم رکھے اور ان سب میں وہی رشتۂ محبت و اخوت برقرار رہے جس کے لئے مرحوم دعاؤں کے طالب تھے۔

مجلس احرار اسلام سے تعلق کی طرح خانقاہ سراجیہ (کندیاں) سے بھی خاندانی تعلق کی عزت مرحوم کو حاصل تھی۔ قدرتی طور پر اپنے بزرگوں سے دلی تعلق رکھتے تھے۔ الفرقان میں راقم کا مضمون "نسخۂ انسانیت" پڑھا جو مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی کے اقتباسات سے تھوڑی سی تمہید و تعلیق کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا۔ اس پر خط آیا تو معلوم ہوتا تھا جیسے دل کی کلی کھل گئی۔ آپ نے لکھا کہ

"ہرچند کہ حضرت اقدس کے مکتوبات کا نسخہ لگ بھگ تیس برس قبل ہندوستان (دیوبند) سے منگوایا اور پھر وقتاً فوقتاً اس کو دیکھا اور دیکھتا رہتا ہوں لیکن آپ نے جس تمہید و تمت کے ساتھ مولانا کے اقتباسات نقل کئے ہیں ان کا بہت اثر ہوا اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے مفید کاموں کے لئے مدتوں صحت و عافیت سے زندہ و سلامت رکھے۔"

یہ خط یکم مارچ 93ء کا ہے اور میں الحمد للہ مرحوم کی دعا سے صحت و عافیت کے ساتھ زندہ و سلامت ہوں مگر افسوس مرحوم نے وفا نہ کی۔ میں اس دفعہ والد ماجد (حضرت مولانا نعمانی مدظلہ) کی خدمت میں تقریباً چھ ماہ ہندوستان رہ کر آیا۔ مرحوم نے انہی دنوں کہ میں اُدھر کو چلا تھا آشیانہ چمن سے اٹھانہ لیا ہوتا تو میری یہ خواہش ضرور عمل کا جامہ پہن لیتی کہ چند دن کے لئے پاکستان جایا جائے۔ اسی خواہش کے ماتحت کہ ان سے ملاقات ہو۔ جولائی 93ء میں لکھا کہ برطانیہ میں کانفرنسوں کا ایک سلسلہ چل رہا ہے اور آپ ہی کے یہاں کے حضرات اس کے سب کچھ ہیں، اس سلسلے میں ہر سال علمائے کرام کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ بھائی ایک آدھ بار قرعہ آپ کے نام بھی نکل آنا چاہئے۔